© rasailojaraid.com

عبدالرشید عراقی

حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ

قوموں کا عروج و زوال، انحطاط و ارتقاء اور زندگی کا دار و مدار ان کی اپنی تاریخ پر منحصر ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کے اہم و روشن ادوار پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ جو قوم اپنی تاریخ کو بھلا دیتی ہے۔ یقیناً وہ ایک دن زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

تاریخ اصل میں افراد کی حیات و ممات کے علاوہ تمدنی، معاشی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی و اخلاقی اور دماغی کارناموں کا مرقع ہوتی ہے۔ سوانح و تذکرے تاریخ ہی کا حصہ ہیں۔ جن میں فرد کے خصوصی کارنامے، مذہبی و اقتصادی اصلاحات کے ساتھ ساتھ ان تمام افکار و عوامل کا سیر حاصل تذکرہ موجود ہوتا ہے جس کے ذریعہ فرد عوام کی نگاہوں میں غیر معمولی مقبولیت و جاذبیت کا حامل ہوتا ہے۔

سوانح و تذکروں کی ترتیب کا دوسرا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ فرد کے اہم کارناموں کی انجام دہی ملی و مذہبی عظیم اصلاحی پہلوؤں کی طرف خیالات و افکار کا میلان فطری جبلی صلاحیتوں کی نشوونما اور کارزار حیات کے نشیب و فراز کی واضح تصویر کو قارئین کے سامنے لایا جائے۔ نئی نسلیں ماضی میں اپنے اسلاف کے حیات آفرین کارناموں سے واقفیت کے بعد ہی مستقبل کے لیے ٹھوس اور پائیدار لائحہ عمل معین کرتی ہیں۔ اس میدان میں جب ہماری نظریں کسی مشہور و معروف شخصیت کی تاریخ سے مزین صفحہ پر پڑتی ہیں تو اچانک ایک ہمہ گیر شخصیت سامنے آجاتی ہے۔ یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس قوم کی تاریخ کا ہم مطالعہ کرنا چاہیں گے تو بیک وقت اس قوم کی اہم شخصیتیں ایک ایک کر کے سطح ذہن پر آجاتی ہیں۔ اسی طرح ملتوں اور جماعتوں کی تاریخ کا حال ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی عظیم شخصیت عموماً عالم اسلام اور خصوصاً ہند و پاک میں محتاج تعارف نہیں۔ قوم کا ایک ایک فرد ان کی ذات گرامی سے واقف ہے۔ مرحوم کے تبحر علمی کا اعتراف عرب و عجم نے کیا، جیسا کہ عالم اسلام کے نامور عالم علامہ سید رشید رضا مصری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنے عالمگیر شہرت رکھنے والے پرچہ "المنار" میں لکھا۔

"کہ مولانا ثناء اللہ برصغیر ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے وکیل ہیں اور ان کی خدمت اور ان کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ وہ عام آدمی نہیں بلکہ رجل الٰہی ہیں۔"

(مجلہ المنار ، المجلد الثالث والثلاثون لسنۃ ۱۳۵۱ ص ۶۳۹)

اللہ تعالیٰ نے جن خصوصیات سے آپ کو نوازا تھا۔ اس کی مثال و نظیر جلدی میں نہیں مل سکتی۔ دنیائے اسلام میں ماہ درخشندہ بن کر چمکے۔ علم و فضل میں، زہد و ورع میں، دیانت و امانت میں، راستبازی و حسن معاملگی میں ہمیشہ سلف رہے۔ فن حدیث ہو یا فن تفسیر، فن منطق ہو یا فلسفہ، فن ادب ہو یا تاریخ، ہر فن میں آپ ایک امام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ ذہانت و خطابت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

جب بھی کتاب و سنت پر کسی نے حملہ کیا تو اس شیر خدا نے فوراً دنداں شکن جواب دیا۔ جب بھی کسی فرقے والے نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اس مرد مجاہد نے آگے بڑھ کر چیلنج کا جواب دیا۔ چنانچہ مسیحیت، قادیانیت، بہائیت اور روافض اور دوسرے بہت سے فرقوں سے مناظرہ کر کے حریف کو شکست فاش دی۔ آپ اسلام کے نڈر اور بہادر سپاہی تھے۔

آہ کس طرح مرحوم لکھوں۔ جو زندگی سے بھرپور تھے۔ جس نے اسلام اور ملت اسلامیہ کی صلاح و فلاح کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ جس نے زندگی کی ساری امنگوں اور حوصلوں کو، ترقی کے سارے امکانات کو، عروج و زوال کے تمام توقعات کو ٹھکرا دیا۔ وہ عربی زبان میں وہی دسترس رکھتے تھے جو ایک اہل زبان رکھتا ہے۔ فارسی پر بھی کافی عبور تھا۔ اردو تو گویا ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ جس کا دل بھی مسلمان تھا۔ دماغ بھی، اور فکر و تخیل بھی، وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے تھے۔ دوستوں سے مخالفت مول نے لیتے تھے۔ اپنوں سے روٹھ جاتے تھے۔ اگر مقصد اور منزل کا سوال درپیش ہو۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم برصغیر پاک و ہند کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ ان کا شمار ۲۰ ویں صدی عیسوی اور ۱۴ ویں صدی ہجری کے ان اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ جو بیک وقت کئی عظیم صفات کے مالک تھے۔ بقول شاعر مشرق ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کی ہستی مجموعۂ حسنات مجسمۂ صفات تھی۔ آپ بذات خود ایک انجمن تھے، آپ بیک وقت محدث و مفسر بھی تھے اور محقق و مدقق بھی، خطیب و مقرر بھی تھے۔ مناظر و صحافی بھی تھے اور کہنہ مشق انشا پرداز بھی۔ عالم و فاضل، زاہد و عابد، مجاہد وقت، غازی دوراں، مرد مومن اور عاشق رسول بھی تھے۔ غرضیکہ!

بہت سی خوبیاں تھیں آپ کی ذات گرامی میں۔

حضرت مولانا مرحوم نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت کئی غیر اسلامی تحریکیں ملک میں جنم لے چکی تھیں جو اسلام پر پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی تھیں۔ مولانا مرحوم سب سے پہلے شہسوار تھے جنہوں نے مخالفین کو ہر میدان میں للکارا۔ اسلام کے محاذ پر ہر مخالف و معاند اور منافق و شاطر سے مقابلہ کیا اور اسلام کی صداقت و حقانیت کا غلغلہ بلند کیا۔ تحریر و تقریر میں ایک خاص مقام کے حامل تھے۔

آپ کی ساری عمر علمی و ادبی، اخلاقی اور اصلاحی خدمات میں گزری۔ آپ کی علمی و ادبی خدمات قابل داد ہیں۔ آپ نے اپنے علم و فضل میں وہ شہرت حاصل کی کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر اسلامی قوموں نے بھی ان کی خداداد لیاقت و علمیت کا اعتراف کیا۔ ان کے ہاتھ چومے۔ اور دل و جان سے اپنے سر آنکھوں پر بٹھایا۔

مولانا مرحوم نے جب علوم اسلامیہ سے فراغت پائی تو وہ دور ایک مناظروں کا دور تھا۔ تمام مذاہب اپنے اپنے مسلک کی حقانیت ثابت کرنے پر زور دے رہے تھے۔ مولانا مرحوم نے ہندو، آریہ سماجی، سناتن دھرمی، دیو سماجی، عیسائی، بہائی، یہودی، پارسی سکھ، نیچری، مرزائی، رافضی، سب کے سب لیڈروں سے کامیاب مناظرے کیے۔ اسلام پر جب بھی کسی غیر مسلم نے حملہ کیا تو سب سے پہلے مدافعت کرنے میں پیش پیش مولانا ثناء اللہ مرحوم ہوتے تھے۔ چنانچہ جب مہاشہ راجپال نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب میں خاکم بدہن؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے جا اعتراض کیے تو آپ نے سب سے پہلے اس کا جواب "مقدس رسول" کی صورت میں دیا۔ اس کے بعد جب سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی ایک لچر اور بے ہودہ کتاب ستیارتھ پرکاش میں اسلام پر اعتراضات کیے تو آپ نے اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب میں حق پرکاش لکھی۔ جس میں اسلام کی حقانیت، اسلامی تہذیب کی خوبیاں، اور بلند اخلاقی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ سرسید احمد خاں نے جب جدت پسندی سے کام لیا تو ان کے مذہبی افکار پر بھی مدلل تنقید کی۔

ملت اسلامیہ کے مخالفین میں سب سے خطرناک تحریک قادیانیت تھی . . . .

. . . . مولانا ثناء اللہ مرحوم نے سب سے زیادہ اس کی تردید میں علمی جہاد کیا۔ آپ نے قادیانیت کی تردید میں تقریباً ۲۱ کتابیں لکھیں اور قادیانیت کی تردید میں اتنا کام کیا کہ جماعت مرزائیہ اور اس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی عاجز آگئے۔ اور آخر مولانا مرحوم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک اشتہار شائع کرنا پڑا اور جس میں بانیٔ جماعت مرزائیہ کو یہ کہنا پڑا۔

کہ اے خدا مجھ میں اور ثناء اللہ میں فیصلہ فرما۔

اور جھوٹے کو سچے کی زندگی میں ہلاک کردے۔ . . . .

. . . .

مولانا مرحوم نے قادیانیت کی تردید میں جو قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

"قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور ان کی واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا حبیب الرحمان صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تیس۳۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا۔ یہ تو آپ کا حسنِ ظن اور تواضع ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا ثناء اللہ مرحوم کی ہستی اسلامی دنیا میں وہ مایۂ ناز، یکتائے روزگار ہستی تھی۔ کہ ان کی نظیر نہ ان کے معاصرین میں ملتی ہے، نہ بعد والوں میں۔ مولانا مرحوم منقول و معقول کے ایک زبردست جامع عالم و فاضل تھے۔ آپ بہترین فصیح و بلیغ، متکلم اور بہترین مصنف، باکمال مفسر، اعلیٰ درجہ کے مناظر، بلکہ رئیس المناظرین اور شیخ الاسلام تھے۔ آپ نے جو اسلام اور جماعت اہل حدیث کی گوناگوں زرّیں خدمات دیں وہ اظہر من الشمس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ناقابلِ فراموش ہیں۔

آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی خوبیاں بخشی تھیں وہ قابلِ قدر و قابلِ رشک ہیں۔ توکل زہد و اتقا و حسنِ اخلاق، مہمان نوازی، حلم و بردباری، قناعت و سنجیدگی، بے باکی، حاضر جوابی میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے علم و دین، قوم و جماعت و ملت کی وہ بیش بہا خدمات انجام دیں جن کو موجودہ اور آنے والی نسلیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔

مولانا ثناء اللہ جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ سال کے تھے کہ مولانا احمد اللہ امرتسری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ اس کے بعد استاد حدیث مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وزیرآباد میں تکمیل حدیث کے بعد دیوبند تشریف لے گئے۔ جیسا کہ مولانا مرحوم خود فرماتے ہیں۔

"وزیرآباد میں حدیث شریف پڑھ کر ۱۳۰۷ھ میں دیوبند گیا۔ وہاں کتب درسیہ معقول و منقول شرح چغمینی تک پڑھیں۔ حدیث کے دورے سے بھی استفادہ کیا۔ دیوبند سے فوخیرا مجھے مدرسہ فیض عام کانپور لے گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن صاحب مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ مجھے بھی علوم منقول و منقول سے خاص شغف تھا اس لیے مدرسہ فیض عام کانپور میں جا کر داخل ہو گیا۔ کچھ شک نہیں مولانا مرحوم کا تبحر علمی واقعی قابلِ تعریف تھا وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قندِ مکرر کا لطف اٹھایا۔ انھیں دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درسِ حدیث میں شریک ہوا۔

پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) استاذ العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لیے میں نے حدیث کے تین استادوں سے جو طرزِ تعلیم سیکھا۔ وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

اثنائے قیام دیوبند ہی میں میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی مرحوم و مغفور کی خدمت میں حاضر ہو کر سندِ اجازت حاصل کر لی تھی۔

شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا۔ جس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آٹھ طلبا کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی - ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔

فیض عام کا یہ جلسہ وہ ہے جس میں زیر صدارت مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم و مغفور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تھی - اس جلسہ کی یہی یادگار کافی ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء)

کان پور سے فراغت کے بعد مولانا مرحوم امرتسر تشریف لائے - اور امرتسر کے ایک مدرسہ میں درس نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوئے - مولانا کی طبیعت میں تجسس بہت زیادہ تھا۔ زمانہ طالب علمی ہی میں طبیعت اس طرف مائل تھی - غیر مذاہب کی کتابیں پڑھتے تھے - اور ان کے علماء سے بحث مباحثہ میں مشغول رہتے تھے - عیسائی اور آریہ اپنے مذہب کی صداقت کے لیے آئے دن بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے - اور انہی دنوں قادیانی تحریک بھی شروع ہو چکی تھی - چنانچہ مولانا مرحوم نے اس طرف دلچسپی لینی شروع کی - جیسا کہ آپ فرماتے ہیں -

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے - میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ سے مناظرات کی طرف بہت راغب تھی - اس لیے درس و تدریس کے علاوہ میں ان تین گروہوں (عیسائی، آریہ اور قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا -

بفضل تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی - ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا - شائد اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی - جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؎

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

(اہل حدیث امرتسر ۲۳ رجنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا مرحوم نے جو تحریری اور تقریری خدمات سرانجام دی ہیں ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے - آپ نے ہزاروں مضامین اور مقالے اخبار اہل حدیث میں لکھے - اس کے علاوہ عیسائیت، آریہ مت، قادیانیت، شیعیت، منکرین حدیث، نیچریت اور مقلدین کی تردید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ، بے شمار کتابیں لکھیں ، مجھے مولانا مرحوم کی جن تصانیف کا پتہ چل سکا ہے ۔ ان پر میں ایک مفصل مضمون الاعتصام لاہور اور الاسلام گوجرانوالہ میں شائع کرا چکا ہوں ۔ مجھے جو فہرست دستیاب ہو سکی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

۱ ۔	قرآن مجید کی تفاسیر	۶
۲ ۔	عامۃ المسلمین اور اسلامی کتب	۴۰
۳ ۔	مقلدین کی ہدایت اور اہل حدیث کی حمایت	۱۴
۴ ۔	تردید آریہ سماج	۲۶
۵ ۔	تردید عیسائیت	۵
۶ ۔	تردید قادیانیت	۲۱
	میزان	۱۱۲

قادیانیت کی تردید میں آپ نے جو خدمات سرانجام دی ہیں ۔ اس کے متعلق مولانا مرحوم فرماتے ہیں ۔

کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں ، قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے ، جس کا ثبوت مرزا صاحب بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انھوں نے ۱۵ / اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی ۔ جس کا عنوان تھا ۔

مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ

اس کے شروع میں ہی میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے ۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا ۔ میرے قلعہ کو گرانا چاہا ، وغیرہ ۔ اس لیے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے ۔

کوئی خاص وقت تھا کہ جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی ۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیان کو مخاطب کرکے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

؎ آپ کی بزم میں سب کچھ رہے مگر داغ نہیں
آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

(اہل حدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

مولانا ثناء اللہ مرحوم جامع الصفات شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگون صفات سے موصوف فرمایا تھا۔ پاکیزہ سیرت، خوبصورتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو زبان کی بلاغت و فصاحت بھی اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھی، عربی فارسی پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی عربی تفسیر "تفسیر القرآن بکلام الرحمان" میں اپنی خداداد ذہانت کے موتی بکھیرے ہیں۔ قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو علمی انداز میں عقلی و نقلی دلائل سے مبرہن کر کے علوم دینیہ کے شائقین کے لیے قلبی اطمینان کا سامان فراہم کیا ہے۔

مولانا مرحوم کی عربی تفسیر کے بارے میں مصر کے نامور عالم علامہ سید رشید رضا نے اپنی مجلہ المنار میں بہترین خراج تحسین پیش کیا۔ اور برصغیر کے نامور مورخ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنے علمی رسالہ معارف اعظم گڑھ کی اشاعت جلد ۲ نمبر ۴ ص ۳۱۶ پر لکھا۔

"کہ تفسیر القرآن بکلام الرحمان اس قابل ہے کہ اسے نصاب درس میں داخل کر لیا جائے۔"

ایک شخص تدریس و تصنیف میں ماہر ہو تو ضروری نہیں کہ تحریر و تقریر میں بھی خاص مہارت رکھتا ہو۔ یا اگر میدان تحریر کا شہسوار ہو تو وہ ایک شعلہ نوا مقرر بھی ہو۔ مگر مولانا امرتسری مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کے مقرر، مناظر، حاضر جواب تھے تو دوسری طرف اعلیٰ درجہ کا تصنیفی سلیقہ بھی رکھتے تھے۔

مولانا مرحوم ایک کریم النفس اور شریف الطبع انسان تھے۔ اپنے پہلو میں ایک درد مند دل رکھتے تھے۔ دوستوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ ان کی راحت و تکلیف کا خیال رکھتے۔ وہ بہت زیادہ خوددار بھی تھے۔ عفاف و استغناء کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ طبیعت میں قناعت تھی، جاہ و ریاست کے طالب نہ تھے۔ اپنی قیمت پہچانتے تھے اور اس کا صحیح اندازہ لگاتے تھے۔ کریمانہ اخلاق اور ستودہ صفات کے حامل تھے۔ ان کے اتنے کھرے اور صاف گو ہونے کے باوجود احباب اور عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا یہ ان کے وسعتِ اخلاق کی دلیل تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قناعت و استقامت کے پہاڑ تھے۔ ایقان و توکل آپ کا خاص وصف تھا، زہد و تقویٰ میں مثالی کردار کے حامل تھے۔ مکارمِ اخلاق کی مجسمہ تصویر تھے۔ اعزا و اقارب سے حسنِ سلوک میں یکتا تھے۔ فراست و دانائی آپ کا موروثی وصف تھا۔ نظافت و نفاست اور سلیقہ پسندی میں آپ کو خاص ذوق اور ملکہ حاصل تھا۔

گفتار:۔ میں ساحرانہ حلاوت و فصاحت، حق گوئی و حق جوئی تھی، کسی مجلس میں بھی آپ کی لب کشائی، عقدہ کشا اور حق نما، نتیجہ خیز و سبق آموز و عبرت آموز ہوتی تھی۔

رفتار:۔ جوانمردو مقہورانہ

تقریر:۔ پُر مغز، مثمر و معنی خیز۔

تحریر:۔ نظافت و نفاست و عمدگی میں خطاطی کا نمونہ۔

مضمون:۔ میں سلاست و جامعیت، ربط و ضبط، استحضار و تسلسل کے اوصاف تھے۔

تنقید:۔ شاہین کی طرح جرات مندانہ و محققانہ۔ ع

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

جود و سخا آپ کی خاندانی عادت تھی۔

اور آپ صحیح طور پر اس شعر کے مصداق تھے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پون صدی امرتسر میں قیام کے بعد آپ کو اپنا وطن مالوف چھوڑنا پڑا۔ اور آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔

ترکِ مال و ترکِ جان و ترکِ سر
در رموزِ عشق اول منزل است

جن اسباب کے تحت آپ کو وطن چھوڑنا پڑا۔ وہ اسباب ظاہری تھے یعنی تقسیم ملک، مسلمانوں نے اپنے لیے ایک علیحدہ آزاد مملکت کا مطالبہ کیا جو بہت بڑی قربانیوں کے بعد پورا ہوا۔ مشرقی پنجاب میں مارچ ۱۹۴۷ء سے ہی فسادات شروع ہو چکے اور جو فسادات نیا دلی آبادی کے وقت ہوئے اس کی حقیقتِ حال جب سامنے آتی ہے تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان فسادات میں امرتسر کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ امرتسر اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرد و نواح سکھوں کی کثیر آبادی تھی جو مسلمانوں کو تباہ و برباد و ہلاک کرنے کے لیے جمع ہو گئی۔ لہٰذا امرتسر میں مسلمانوں پر جو ظلم و ستم ہوا اس کی مثال شاید سارے ہندوستان میں نہ مل سکے۔

قیامِ امن کے سلسلہ میں ہندوستان میں امن کمیٹیاں بنی تھیں اور اس سے امرتسر کیسے مستثنیٰ رہ سکتا تھا۔ امرتسر میں بھی امن کمیٹیاں قائم ہوئیں مگر ہندو اور سکھ اس سلسلہ میں مخلص نہ تھے۔ اور مسلمانوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ شہر میں امن و امان رہے۔

مولانا امرتسری مرحوم چونکہ خود امن و آشتی کے بہت حامی تھے اور وہ صلح و سلام کے خوگر تھے۔ اس لیے آپ نے ان امن کمیٹیوں کا خیر مقدم کیا۔ خود بھی ممبر بنے اور دوسرے احباب کو بھی ممبر بنایا۔ مگر یہ امن کمیٹیاں صحیح طور پر اپنا مشن جاری نہ رکھ سکیں اور فسادات دن بدن بڑھتے ہی گئے اور ان پر قابو نہ پایا جا سکا۔

جب فسادات دن بدن زیادہ بڑھتے گئے اور امن و امان کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو آپ نے ہجرت کا قصد فرمایا۔ چنانچہ جس روز آپ نے امرتسر چھوڑنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی دن آپ کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب کو ایک بم کے ذریعے شہید کر دیا گیا۔ آپ نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔ اس کے بعد آپ نے امرتسر کو خیرباد کیا اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل السلفی مرحوم سابق امیر جمعیۃ اہل حدیث پاکستان کے اصرار پر گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ گوجرانوالہ میں آپ کا قیام وسط جنوری ۱۹۴۸ء تک رہا۔ اس کے بعد آپ سرگودھا تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو حکومت نے ثنائی برقی پریس امرتسر کے عوض ایک پریس الاٹ کر دیا تھا۔

سرگودھا کے قیام میں آپ دوبارہ اخبار اہل حدیث کے اجراء کا سلسلہ شروع کرنے والے تھے۔ اخبار اہل حدیث جو آپ نے ۱۹۰۲ء میں جاری کیا تھا۔ اور جس کا آخری شمارہ اگست کے پہلے ہفتے میں شائع ہوا تھا۔ جو تقریباً ۴۴ سال تک توحید و سنت اور اسلام کی اشاعت میں مصروف رہا۔ تقریباً ۶ ماہ سے بند ہو گیا تھا۔ اس کو دوبارہ جاری کرنے والے تھے۔ اس کے لیے پروگرام بھی وضع کر لیا تھا کہ ۱۲ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ کو دائیں جانب فالج گرا۔ حملہ نہایت شدید تھا۔ سماعت، شناخت اور تکلم کی قوتیں جواب دے گئیں۔ احباب و اعزہ نے علاج و معالجہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور آخر کل نفس ذائقۃ الموت کے اٹل قانون کے تحت اسلام کے اس مردِ غازی نے ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء دو شنبہ کے روز صبح کے وقت اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم اکثر اپنی تقاریر میں یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ ؎

مارا دیارِ غیر میں لاکر وطن سے دور
رکھ لی خدا نے میری بے کسی کی لاج

شہر میں چین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے قبرِ مسافر کو کہاں ملتی ہے

آپ کے انتقال سے برصغیر پاک و ہند کے تمام علمی حلقوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ برصغیر پاک و ہند کے جرائد نے آپ کی وفات پر ماتمی مقالے لکھے۔ دونوں حکومتوں میں تعزیت کے اجلاس منعقد ہوئے۔ دہلی کے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمان صاحب ناظم جمعیتہ علمائے ہند نے آپ کے انتقال پر ایک غیر معمولی نقصان اور علمی فقدان کا دردانگیز ماتم کیا۔

برصغیر کے تمام شعراء، اخبارات اور ممتاز علمائے کرام و دانشوروں نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یہاں صرف شعراء میں جماعت اہل حدیث کے مشہور عالم و شاعر مولانا نور حسین گھرجاکھی مرحوم کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ؎

وہ عالم تھا، مجاہد تھا، محدث تھا، زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی تھا، مجددِ تھا زمانے کا
مناظر تھا، مجاہد تھا وہ سب علموں میں اعلم تھا
غرض وہ اپنی قوم میں سپہ سالارِ اعظم تھا
زبان عربی و اردو میں لکھی ہیں چار تفسیریں
خزینہ علم و حکمت کا گل و گلزار تفسیریں
مفسر تھا کلام اللہ کا وہ محبوب حقانی
وہ اپنے دور کا رازی و ابنِ تیمیہ ثانی
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا، بحرِ ہستی میں
بالآخر سو گیا آکر وہ سرگودھا کی بستی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ علم وفضل کا سورج، قوی پنجہ مناظر تھا
وہ فاتح قادیاں اسلام کا ایک گوہر نادر تھا (سیرت ثنائی)

ندائے مدینہ بجنور نے اپنے ادارتی کالموں میں لکھا۔

اگر پورے دنیائے اسلام کے مکابر، علما، کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچریوں، شیعوں، منکرین حدیث، چکڑالویوں، بریلویوں، دیوبندیوں سے غرض ہر فرقے سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے۔ تو عالم اسلام کی طرف سے کون سی ہستی ہوگی۔ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پاکستان، ہندوستان، برما، لنکا، جزیرہ، جاوا، سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی ہے۔ اور وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی۔ ان کی رحلت کے بعد ہندوستان و پاکستان کی یہ سربلندی شاید باقی نہ رہے۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ سید سلیمان ندوی عالم اسلام کے ایک مشہور نامور فرزند تھے۔ آپ مشہور ادیب، مورخ سیرۃ نگار اور انشاء پرداز تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ اور آپ سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے۔ مولانا سلیمان ندوی نے آپ کی وفات پر اپنے مشہور علمی رسالہ معارف اعظم گڈھ میں آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ یہ خراج تحسین اس قابل ہے کہ آپ بھی اس سے لطف اندوز ہوں۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں۔

مولانا ہندوستان کے مشاہیر علما میں تھے۔ فن مناظرہ کے امام تھے۔ خوش بیان مقرر تھے۔ متعدد تصانیف کے مصنف تھے۔ مذہباً اہل حدیث تھے اور اخبار اہلحدیث کے ایڈیٹر تھے۔ قومی سیاسیات کی مجلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔

مرحوم سے مجھے نیاز اپنی طالب علمی ہی سے تھا۔ وہ سال میں ایک دو دفعہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے۔ لکھنؤ آتے تھے۔ اور دارالعلوم ندوہ میں تشریف لاکر احباب سے ملتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مجھے بھی نیاز حاصل ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے۔ میں درس میں تھا۔ ان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف لپکا مگر مرحوم نے میرے بجائے سبقت استاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا۔ کبروا الکبر یعنی بڑے کو بڑائی دو۔

مرحوم ندوہ کے رکن اکثر رہے۔ بلکہ خود ان کے بقول ندوہ کانپور میں ان کی دستار بندی ہی کے جلسہ میں پیدا ہوا۔ مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دنوں مدرسہ دیوبند میں پڑھا۔ پھر وہ کانپور آکر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے اور یہیں ۱۳۱۲ھ میں فراغت پائی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں سے پنجاب میں فتنہ پیدا تھا۔ انھوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی۔ اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی۔ یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔ یہ پرانے قصے ہیں۔ جن کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں اور مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک ہمیشہ رواں اور دواں رہتے تھے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ اس کے حملے کو روکنے کے لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انھوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

وہ مصنف بھی تھے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں ان کے اکثر رسالے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں دو تفسیریں خاص ذکر کے قابل ہیں۔ تفسیر ثنائی اردو اور تفسیر القرآن بکلام الرحمان عربی میں۔ مرحوم کو خود بھی یہ تفسیریں پسند تھیں۔ مرحوم چونکہ مناظر تھے اس لیے عربی تفسیر میں آیات صفات کے باب میں سلفی عقائد کے بجائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاویل کی راہ اختیار کی تھی۔ اس سے امرتسر کے غزنوی علمائے اہل حدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی۔ ۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب میں خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہل حدیث کا حجاز جانا ہوا۔ تو یہ نزاع سلطان ابن سعود کے سامنے بھی پیش ہوئی اور سلطان نے کوشش کر کے فریقین میں صلح کرادی۔ مرحوم دہیں مجھ سے فرماتے تھے کہ افسوس ہے کہ نجد کے علما حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں۔ اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس باب میں سلطان سے کچھ عرض کروں۔

مرحوم کبھی کبھی قومی مجلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء کی ندوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں جب حکیم اجمل خاں مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا۔ جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک تھے تو مولانا شبلی کی تحریک پر مرحوم ہی صدر مجلس قرار پائے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے اس میں بھی مرحوم شریک تھے۔ ۱۹۲۵ء کی جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی۔ مرحوم موجود تھے اور خاص طور سے اس لیے آئے تھے کہ جمعیۃ کے اس اجلاس میں دارالحرب میں سود کے مسئلہ پر بحث کرنے والے تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر حضرات علمائے دیوبند حنفیہ کے مشہور مسلک لاربوا بین الحربی والمسلم فی دارالحرب پر متفق ہوں تو میں بھی تائید کروں گا مگر علماء میں ربح کی گفتگو ہو کر رہ گئی۔ کھلے اجلاس میں کوئی بحث نہیں ہوئی۔

مرحوم ۱۹۲۶ء میں حجاز کے موتمر اسلامی میں نمائندہ اہل حدیث کی حیثیت سے شریک تھے اور عربی میں ایک دو مختصر تقریریں بھی اپنے طرز کی موتمر میں کی تھیں۔ مدینہ منورہ بھی حاضر ہوئے تھے۔ کہتے تھے کہ جو اہل حدیث یہاں نہ آئے وہ محبت سے خالی ہے۔ (ان کا اصل فقرہ اس وقت پوری طرح یاد نہیں)

ڈاکٹر اقبال کی وفات کے بعد میرا لاہور جانا ہوا اور ان کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھیجی کر واپسی میں ان سے ملے بغیر نہ جاؤں۔ چنانچہ واپسی میں امرتسر اترا۔ اور ان کے پاس دو دن ٹھہرا۔ اور بہت سی باتیں ہوئیں۔ جن میں سے ایک جیسا خیال آتا ہے اہل حدیث کے انتشار اور پراگندگی کی گفتگو تھی۔ میں مرحوم کو لکھتا رہتا تھا کہ آپ آمین، رفع یدین وغیرہ مسائل فقہ جن کا ہر پہلو جائز اور ثابت ہے۔ مناظرانہ تحریروں میں وقت ضائع نہ کریں۔ مگر وہ ان کی اہمیت پر مصر تھے۔

ان کی عمر میرے خیال میں ۸۰ سے کچھ متجاوز ہوگی۔ ابھی چند سال ہوئے وہ گر پڑے تھے۔ جس سے کولہے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی۔ جس کے سبب سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ پنجاب کے گذشتہ حادثہ میں جوان بیٹے کی مفارقت کا اثر یقیناً پڑا ہوگا۔ لیکن اس کے بعد پاکستان و ہندوستان کے درمیان جو دیوار قائم ہو گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے مرحوم کی وفات کی اطلاع بھی اس سے پہلے نہیں ہوئی۔ اور یہ اطلاع بھی جمعیۃ العلماء دہلی کے تازہ جلسے میں تعزیت کی تجویز سے ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا۔ وہ وہی ہوتے اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین۔

(معارف مئی ۱۹۴۸ء جلد ۶۱ - عدد ۵)

تفسیر الخازن مع النسفی

الترتیب والبیان عن تفصیل آی القرآن، تفسیر روح البیان، احکام القرآن للجصاص، شرح شذور الذہب فی معرفۃ کلام العرب، اعلام الموقعین لابن قیم، منہاج السنۃ لابن تیمیہ، الحاوی للفتاوی الخصائص الکبریٰ للسیوطی، مروج الذہب ومعادن الجواہر للتاریخ الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر مکی، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ علاوہ ازیں بے شمار عربی اردو کتب کا ذخیرہ۔ آپ اپنی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیں۔

عبدالرحمن عاجز مالک رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد

© rasailojaraid.com